Tarjihaat
Volume: 11
Issue: VII
July 2022
جولائی ۲۰۲۲
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WURNP

محمد یاسین گنائی
پلوامہ، کشمیر

عاصیؔ فائقی کی شاعری میں صنعتوں کا استعمال

غالبؔ نے رامپور کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ''یہ رام پور ہے۔۔ دارالسرور ہے۔۔ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے''۔ لیکن ادب کے طالب علموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنوبی ہند بھی اپنا دارالسرور رکھتا ہے اور اس کا نام ''برہان پور'' اور یہ شہر دریا تاپتی کے کنارے آباد ہے، جس پر شاہجہاں نے ممتاز محل کا مقبرہ تعمیر کروایا تھا، جس کے کھنڈرات آج بھی دریا کے کنارے موجود ہیں۔ شہرِ برہان پور کو ''بابِ دکن'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ شہر اردو کی قدیم بستیوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں کی علمی وادبی شخصیات کی خدمات کو منظر عام پر لانے میں ''سیوسدن کالج برہان پور'' ابتدا سے ہی کوشاں نظر آتا ہے۔ اب تک یہ تحقیقی مرکز ''برہان پور کی شعری روایات، برہان پور کے اہم مرثیہ نگار، خاندیش میں اردو شاعری کی روایت، برہان پور کی اردو شاعری پر دبستان لکھنو کے اثرات، برہان پور میں اردو نثر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، برہان پور میں نظم نگاری اور اہم نظم گو شعراء، برہان پور میں اردو شعر وادب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، برہان پور کے اہم نعت گو شعراء اور ان کے کلام کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، برہان پور میں سلسلہ میرؔ ایک تحقیقی جائزہ'' جیسے موضوعات پر تحقیقی وتنقیدی کام کروا چکا ہے۔ بہر حال اس پرانی بستی کے کچھ گمنام شعراء میں ایک نام عاصی فائقیؔ کا ملتا ہے۔ عاصیؔ کی ولادت ۱۹۳۰ء میں برہان میں ہوئی تھی، والدین کی دعاؤں اور عاصیؔ کی محنت سے جلدی ہی ۱۹۵۱ء میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت ملی اور ۱۹۸۸ء میں اکاؤنٹنٹ کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ عاصیؔ بچپن سے ہی شعر وشاعری کا بڑا شوق رکھتے تھے، لیکن ۱۹۵۸ء سے باقاعدہ شعر وشاعری شروع کی تھی۔ وہ ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر صلاح الدین کے شرفِ تلمذ میں شامل ہوئے تھے۔

عاصیؔ کے پانچ شعری مجموعے ''طاقِ نسیاں (۱۹۸۱)، زرِ گل (۱۹۸۷)، التحیات (۱۹۸۸)، شہر خوباں (۱۹۹۰) اور شہر گل ۱۹۹۲)'' (منظر عام پر آچکے ہیں۔ تاحال ان کی حیات وشعری کائنات پر کوئی بھرپور تحقیقی وتنقیدی کام نہیں ہوا ہے اور اسی سبب خدشہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا غیر مطبوعہ کلام بھی اشاعت کے مرحلے سے نہیں گزرا ہوگا۔ عاصیؔ اپنا کلام مشاعروں میں باقاعدہ سناتے تھے اور ان کو ریڈیو سے بھی اپنا کلام سنانے کا موقع ملا تھا۔ ان کو کئی انعامات واعزازات سے بھی نوازا جاچکا ہے۔ لیکن ان کے کلام کو خاطر خواہ وہ پذیرائی نہیں ملی ہے۔ جس کی بڑی وجہ ان کا ہجرت کر کے کھنڈوہ چلے جانا بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ برہان پور اور بھوپال کے مقابلے میں کھنڈوہ میں اردو زبان کا اتنا زیادہ رواج نظر نہیں آتا ہے۔ ان کے خاندان، معاصرین، کلام کی خوبیاں وخامیاں، ان کے کلام کا مختلف اصناف کے تحت جائزہ اور دیگر موضوعات پر مختلف مشاہیر ادب نے بہت کچھ لکھا ہے، میری نظر میں ایک نقطہ جو ابھی تک اچھوتا نظر آتا ہے وہ ہے ''عاصیؔ کی شاعری میں صنعتوں کا استعمال'' کیونکہ ان کے کلام کا جائزہ لینے کے

Tarjihaat
Volume: 11
Issue: VII
July 2022
جولائی ۲۰۲۲
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082

بعد اردو شاعری میں رائج متعدد صنعتوں کی مثالیں ملتی ہے۔نہ صرف عام فہم اور معروف صنعتوں کو برائے کار لایا ہے بلکہ غیر معروف و کم فہم صنعتوں کو بھی استعمال کیا ہے۔ان کی شاعری میں تشبیہات،استعارات اور تلمیحات کا ایک بیش بہا سمندر نظر آتا ہے۔غیر معروف صنعتوں میں مجاز، مخنخ، تلمیع، جمع، متتابع،

اشتقاق، رجوع، سوال جواب، جمیعت الفاظ وغیرہ کا بھی خوب سے خوب تر استعمال ملتا ہے۔عاصیؔ نے اپنی شاعری میں تجربات بھی کیے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ وہ شعری صنعتوں کو برائے کار لانے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔صنعتی شاعری میں ضروری نہیں کہ ہر شعر یا مصرعے میں صنعت پائی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایک شعر میں صرف ایک صنعت پائی جائے۔ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی شعر ہیں دو تین صنعتیں موجود ہوتی ہیں۔عاصیؔ فائقی کے کلام میں سب سے پہلے علم بیان میں شامل چار صنعتوں ''تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ'' کا بخوبی استعمال ملتا ہے۔اگرچہ علم بدیع کو شبلی نعمانی نے بدعت شاعری قرار دیا ہے لیکن نجم الغنی نے ''بحر الفصاحت'' میں اس تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''منفعت اس کی یہ ہے کہ کلام میں ایسی خوبی پیدا ہوجائے کہ کانوں کو بھلا معلوم ہو اور دل میں اثر کر جائے''۔(بحر الفصاحت، نجم الغنی، ص:۸۹۲)

سب سے پہلے اگر تشبیہ کا ذکر کریں تو عاصیؔ کی شاعری میں تشبیہات کا ایک دفتر کھلا ہوا نظر آتا ہے۔تشبیہ کی اقسام اور ارکان پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے بہترین تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

جس کے پینے سے بدل جاتی ہے دل کی کیفیت — مست آنکھوں میں تمہاری کونسا مشروب ہے
(طاق نسیاں،۱۷)

یہ صُراحی دار گردن، یہ نشیلی مست آنکھیں — مرا جام زُہد تقویٰ، کہیں ساقیا! نہ چھلکے
(طاق نسیاں،۳۳)

حُسنِ مجسّم، نُور جہاں، جوشِ محبت، سیلِ رواں — دیکھا ہے اُن کو جس دم عاصیؔ، دل ہوا خود ہی شیدا شیدا
(طاق نسیاں،۵۷)

یہ آنچل، یہ زُلفوں کی زرباف کرنیں — یا قوسِ قزح کی حسین دھاریاں ہیں
(طاق نسیاں،۷۰)

ایک نابینا کو پیری میں عصا کا ملنا — یوں ہے جیسے کوئی کھویا ہوا فرزند ملے (طاق نسیاں،۱۱۱)

ہتھیلی طشتری جس کی، وہ جس کا ہاتھ پیالہ ہے — اسے مفلس نہ گردانو، وہی اللہ والا ہے
(شہر خوباں،۳۰)

تمہاری آنکھ میں آنسو دکھائی دیتا ہے — اندھیری رات میں جگنو دکھائی دیتا ہے (زرِ گل،۲۰)

ان تشبیہات کا موازنہ اگر ہمارے قدیم اور جدید شعراء کی استعمال کی گئی تشبیہات سے کیا جائے تو عاصیؔ کے یہاں میرؔ،انیسؔ ،غالبؔ،اقبالؔ جیسی تشبیہات کا نظام نہ سہی بلکہ دوسری صف کے شعراء سے ملتا جلتا نظام ضرور ملتا ہے۔ان تشبیہات میں حسی ، عقلی و غیر حسی تشبیہات،ملفوف،جمع اور تفضیل تشبیہات، مفرد و مرکب تشبیہات،قریب وبعید تشبیہات کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔جہاں تک استعارہ کی بات ہے تو یہ تشبیہہ کے مقابلے میں زیادہ بلیغ صنعت مانی جاتی ہے کیونکہ اس میں مستعار لہ نہیں ہوتا ہے بلکہ سارا کام مستعار منہ سے چلایا جاتا ہے۔آسان الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ تشبیہہ میں ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں ایک چیز کو دوسری چیز مان لیا جاتا ہے۔جہاں تک عاصیؔ کے کلام میں استعارات کے نظام اور ارکان کی بات ہے، تو انھوں نے اپنی بساط کے عین مطابق تشبیہات کا نادر استعمال کیا ہے۔جیسے کعبہ رخ،دل کی نظر،شام کی جھیل،سورج کا کنول، صبح عارض،انگور کا پیالہ وغیرہ۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کعبہ رُخ پہ نُور کی بارش　　　دل کو محوِ طواف دیکھا ہے
(طاق نسیاں،۲۷)

دل کی نظروں کی سبک لہروں میں غوطہ زن ہے　　　نیلی آنکھوں کے سمندر بھی ہیں گہرے کتنے
(طاق نسیاں،۳۴)

شام کی جھیل میں سورج کا کنول ڈوب چلا　　　یعنی مُنھ موڑ کے مجھ سے مرا محبوب چلا
(طاق نسیاں،۵۲)

نکہہ ناز سے اُبھری ہیں سنہری کرنیں　　　صبح عارض کے کنول خوب سجیلے نکلے
(طاق نسیاں،۷۱)

تیری آنکھوں کے چھلکتے ہوئے پیالوں کی قسم　　　پیاس میری وہی انگور کا پانی مانگے
(زرِ گل،۷۹)

مجاز مرسل علم بیان کی تیسری قسم ہے اور اس میں کسی لفظ کو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔اگرچہ اس صنعت کو آسان سمجھا جاتا ہے لیکن علمائے بلاغت نے اس کی ۲۴ اقسام گنوائی ہے۔اس میں جنگل سے مراد درخت،خاک سے مٹی،پانی سے دریا یا سمندر مراد لی جاتی ہے۔عاصیؔ کے کلام سے چند مثالیں۔

آنکھوں کے میکدے پہ گھٹائیں ہیں زلف کی　　　جام و سبو ہے اور غزل کہہ رہا ہوں میں

(طاق نسیاں،۵۴)

ساون برس رہا ہے، تصور کی دھوپ ہے　　　روتا ہوں زار زار، یہ کس کی نظر لگی
(زر گل،ص:۶۹)

کنایہ سے مراد چھپا ہوا اشارہ یا چھپی ہوئی بات ہے۔ کنایہ کی سرحد مجاز مرسل سے ملتی ہے کیونکہ دونوں میں حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی استعمال ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کنایہ میں دونوں معنی استعمال ہو سکتے ہیں جبکہ مجاز مرسل میں صرف مجازی معنی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ بقول سجاد مرزا بیگ:

''کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح علم بیان میں ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس کے لازمی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہو''

تو اُن کے وعدے فردا کا اعتبار نہ کر　　　یہ دل کی بات ہے، دل میں رہی، رہی نہ رہی

(طاق نسیاں، ۱۱۰)

کاتبِ تقدیر نے لکھا مری تقدیر میں　　　چند روز زندگی وہ بھی پریشانی کی ساتھ

(زر گل، ص:۵۹)

یوں عاصیؔ فائقی کے کلام میں علم بیاں کی چاروں صنعتوں کا باقاعدہ استعمال ملتا ہے اور اس میدان کے وہ بڑے ماہر نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں درجنوں دیگر صنعتوں کا بھی استعمال ملتا ہے۔ ان صنعتوں کو ماہر بلاغت نے صنائع لفظی اور صنائع معنوی میں منقسم کیا ہے۔ دکنی دور کے شعراء کے کلام سے ہی صنعتوں کا استعمال ملتا ہے لیکن دبستان دہلی اور دبستان لکھنو کے شعراء نے اس رجحان کو بامِ عرج تک پہنچایا تھا۔ حالانکہ پرانے زمانے میں استعمال ہونے والی کچھ صنعتوں کا آج رواج نہیں ملتا ہے اور مختلف تحریکات ورجحانات کے عروج کے دوران کچھ نئی صنعتوں کا اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ ولیؔ، میرؔ، غالبؔ، انیسؔ، اقبالؔ سے عصرِ حاضر کے شعراء کے کلام میں صنعتوں کا ایسا بیش بہا نظام ملتا ہے کہ محققین وناقدین نے شعراء اردو کے کلام کا جائزہ صنعتوں کے استعمال کے حوالے سے لے کر اس فن کو رواج بخشا ہے۔ عصر حاضر میں ''صنعتی شاعری'' کی اصطلاح بھی رائج ہوئی ہے، جس کے ذریعے کسی شاعر کے کلام میں صنعتوں کے استعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ شاعری میں ان صنعتوں کے استعمال کے حوالے سے ابوفیض لکھتے ہیں:

''صنعتیں بذات خود شاعری کا مقصد نہیں ہوتیں، لیکن شاعری کا مقصد ان کے بغیر پورا بھی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے ذریعے شعر کے تاثر میں اضافہ ہوتا ہے''۔ (درسِ بلاغت، ابوفیض، ص:۳۹)

بہر حال عاصیؔ کے کلام میں ''صنائع لفظی'' کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں تو ان کے کلام میں صنائع لفظی کی کم وبیش تمام صنعتوں کا استعمال ملتا ہے، لیکن جن اہم صنائع لفظی کا استعمال باقاعدگی اور خوبصورتی سے نظر آتا ہے۔ ان میں ''صنعت تجنیس'' سرفہرست ہے۔

''صنعت تجنیس'' نہ صرف ایک قدیم بلکہ ایک معروف صنعت بھی ہے۔ اس میں ایک ہی جنس کے دو یا دو سے زائد الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اصطلاحاً اس میں تلفظ یا کتابت کے لحاظ سے مشابہت رکھنے والے الفاظ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ یہ صنعت اتنی پیچیدہ ہے کہ علمائے بلاغت نے اس کی متضاد اقسام بیان کی ہیں۔ جیسے مولوی رشید احمد نے سات، مولوی سید حامد علی

نے نو، جلال الدین احمد جعفری نے بارہ، کسی نے تین، تو کسی نے دس اقسام بیان کی ہیں۔ بہر صورت عاصیؔ کے پانچوں شعری مجموعوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد متنوع اقسام کی تجنیس ملتی ہے۔ جیسے

عشق میں فتح بھی مہنگی پڑی دیوانے کو　　　کتنے سر ہو گئے سر، آپ کے سر ہونے تک

(طاق نسیاں، ۱۰۵)

قید غم سے بھی رِہا ہو کے رہا میں ناکام　　　دست پا میں مرے زنجیر پڑی ہو جیسے

(شہر خوباں، ۳۲)

ہو جائیں ایک دم میں یہ دم بازیاں تمام　　　ہم اس کا نام لے کے اگر کر دیں دم ابھی　　　(شہر خوباں، ۳۸)

دل کے غنی تھے ہم جو نہ زردار ہو سکے　　　بے زر تھے، بے ضرر بھی تھے، بے بال و پر نہ تھے　(زرِ گل، ۳۷)

پھر دست جنوں میں میں قلم دیکھ رہا ہوں　　　پھر گھر سے نظر آئے گا تصویر کا کاغذ　　　(زرِ گل، ۶۲)

یوں عاصیؔ کے کلام میں تجنیس کی متنوع اقسام ملتی ہیں جن میں خصوصی طور پر تجنیس تام کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ ''صنعتِ اشتقاق'' کی عمدہ مثالیں کلاسیکی دور کے شعراء سے تا حال برابر ملتی ہیں۔ اس میں شاعر کچھ ایسے الفاظ کو جمع کرتا ہے جن کا مصدر ایک ہی ہوتا ہے۔ جیسے علم، عالم، معلم، معلوم وغیرہ۔ اس کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جیسے کبھی صرف مصدر اور حاصل مصدر پایا جاتا ہے اور کبھی کبھار دو سے زائد مصادر ملتے ہیں۔ اگرچہ کچھ علمائے بلاغت نے اشتقاق کو تجنیس کے ملحقات میں رکھا ہے لیکن مولوی بشیر الدین مجددی نے دونوں میں نمایاں فرق بتایا ہے۔ اشتقاق کی بھی دو صورتیں پائی جاتی ہے اور عاصیؔ کی شاعری میں اکثر دو مصدر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

دسترس موت پہ جس کو نہیں کیا مارے گا　　　مارنے والے سے افضل ہے بچانیوالا

(زرِ گل، ۴۱)

پینا ہے تو پھر تلخی حالات کو پی جا　　　ہے تلخ بہت تلخِ غم دل کی دوا دیکھ

(زرِ گل، ۱۰۹)

''تضمین'' کو صنعت کے بجائے ایک صنف کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن کچھ شعراء نے اس کو تجربے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تضمین نگاری ایک پیچیدہ اور مشکل فن ہے۔ تضمین سے مراد اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے شعر یا مصرعے پر شعر یا مصرعہ لگانا ہے۔ حالانکہ علمائے بلاغت نے اس کی متعدد اقسام گردانی ہیں جن میں مصرعے پر مصرعہ لگانا، شعر پر مصرعہ لگا کر مثلث بنانا، شعر پر شعر لگا کر مربع بنایا یا پھر شعر پر تین مصرعے لگا کر مخمس بنانا۔ لیکن جب ہم عاصیؔ فائقی کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو ان اقسام کے علاوہ ایک شعر پر تین مصرعے لگانا اور شعر کے دو مصرعوں کے درمیان اپنی طرف سے دو مصرعے جوڑنا جیسی اقسام بھی شامل ہے۔ ان کی تضمین کی ایک خوبی یہ ہے کہ نامور شعراء کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے کے کم معروف شعراء کے اشعار پر بھی تضمین لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

غمِ عشق کی نہ پوچھو، یہ ازل سے ہے مقدّر　　　''نہ گلہ ہے دوستوں کا، نہ شکایتِ زمانہ'' اقبال (طاق نسیاں، ۴۵)

شب غم کی زلفوں کے سائے بڑھادیں "کہو توستاروں کی شمعیں بجھادیں" (اختر شیرانی)(زرِگل،۳۲)

محوِ خرام نازادائیں،شباب تھا "وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا" (لالہ مادھو رام جوہر)(زرِگل،۵۴)

سازِ حیاتِ نو سے نئے پن کی دُھن لئے اشکوں سے صبر وضبط کے آئین سُن لئے
جس سے بھی لیں تو خوبیاں لیں،چھے گُن لئے "موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے" اقبال(التحیات،۱۰۱)

نزہت برگِ خوش نما کہیے نعمتِ حسن بت بہا کہیے
اور کیا اس سے کچھ سوا کہیے نازکی ان کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے)میرؔ،(شہرِ گل،۱۳۴)

خیر تسلیم،وعدہ فردا پوچھنا یہ ہے،مانیے نہ برا
گفتگو کا ثبوت کیا ہوگا تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا)مومنؔ،(شہرِ گل،۱۲۵)

" صنعت تشطیر"،تضمین ہی کی ایک قسم ہے۔اس کا اصول ہے کہ کسی شاعر کے شعر کے دو مصرعوں کے درمیان اپنی طرف سے دو مصرعے موزوں کئے جائیں۔عاصیؔ نے باقاعدگی کے ساتھ اس صنعت کا استعمال کیا ہے۔انہوں نے آتشؔ،حسرتؔ موہانی،اقبالؔ،سیمابؔ
اکبرآبادی،جگرؔ مرادآبادی،تاجؔ بھوپالی،شجاع خاورؔ دہلی اور دیگر شعراء کے کلام پر تشطیر لکھی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا؟ تیرا طریقِ کار ہے یہ خسروانہ کیا؟
کیوں اس طرح سے عمر بسر کر رہا ہے تو؟ "کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟ آتشؔ،(شہرِ گل،۱۲۵)

پھول کی پتی سے سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر گفتگو کیجئے مخاطب سے سمجھ کر،سوچ کو
بات کے تیور سمجھ لیتا ہے دانا آدمی مردِ ناداں پہ کلامِ نرم ونازک بے اثر
)اقبال،(شہرِ گل،۱۲۷)

ہم کو مٹا سکے،یہ زمانے میں دم نہیں وہ ہم سے کم نہیں ہے تو ہم اس سے کم نہیں
اس کی ستم ظریفیاں ہم سے نہ چُھپ سکیں "ہم سے زمانہ خود ہے،زمانے سے ہم نہیں"
(جگر،(شہرِ گل،۱۲۵)

عاصیؔ کی صنعتی شاعری کا بغور مطالعہ کرنے سے ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے عہد اور اپنے علاقے کے ایک قابل قدر شاعر گزرے ہیں۔ان کے کلام کی جملہ خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شیخ فرید لکھتے ہیں:

’’برہان پور کے شعراء کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے جدید رنگ کو اختیار کرتے ہوئے بھی قدیم روایت کا لحاظ رکھا ہے۔عاصیؔ کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ روایتی طرز اور قدیم مسلک کے شاعر ہیں۔ان کے کلام میں ماضی کے فکر وفن کی تمام روایات کا احترام پایا جاتا ہے۔انہوں نے اپنے جذبات کے اظہار میں روایت کے سررشتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔اُن کے یہاں کلاسیکی رچاؤ ہے،

نفاست، سلاست اور برجستگی ہے۔فنی لوازم کا التزام ہے۔وہ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بھی باخبر ہیں۔وہ عصری حالات وواقعات کو بیان کرتے ہیں اور فن کی روایت کو بھی روا رکھتے ہیں۔زبان وبیان کی نزاکتوں سے آگاہ ہیں‘‘۔(زرگل، ص:۱۳)

عاصیؔ فائقی کے کلام میں صنعتوں کے استعمال پر بات جاری رکھتے ہوئے ’’صنعت تکرار‘‘ کاذکر کرتے ہیں۔’’صنعتِ تکرار‘‘ایک عام فہم اور قدم زمانے سے چلی آرہی صنعت ہے۔اس میں الفاظ کی تکرار اس حد تک ہوتی ہے کہ ایک ہی لفظ یا ایک جیسے الفاظ بار بار شعر میں دہرائے جاتے ہیں۔نجم الغنی نے اس کی سات اقسام بتائی ہیں اور لکھا ہے کہ اس میں دو لفظوں کو جو ایک ہی معنی رکھتے ہوں مصرعوں یا شعر میں برابر جمع کیا جاتا ہے۔عاصیؔ کے کلام سے بالترتیب تکرار مطلق اور تکرار مثنی کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

نہیں نکلی، نہیں نکلی، رگِ دل سے نہیں نکلی　　خلش پروردہ یادِ نازنیں پردہ نشیں نکلی
(طاق نسیاں،۳۷)

ایسی باتیں آخر کب تک　　اِس کو اُس کی،اُس کو اِس کی
(طاق نسیاں،۴۸)

رنگ برنگی ہلکا ہلکا، شانوں پہ آنچل ڈھلکا ڈھلکا　　چہرہ سیمیں اُجلا اُجلا، سینہ زریں اُبھرا اُبھرا (طاق نسیاں،۵۷)

جلوہ جاناں عُریاں عُریاں، اُلفت یاراں پنہاں پنہاں　　شورشِ محشر دل کی دھڑکن، سینے میں ارماں توبہ توبہ (طاق نسیاں،۵۷)

داستان گوئی کی ایک عام اور خاص خوبی ’بات سے بات نکالنا‘ ہوتا ہے۔اگر داستانوں میں یہ خوبی نہ ہوتی تو مشکل سے ہی کوئی لمبی داستان تیار ہو جاتی۔داستان کی اسی خوبی کو شاعری میں بھی استعمال کیا جاتا ہے،چونکہ شاعری میں بات اعجاز واختصار کی متقاضی ہوتی ہے۔شاعری میں بات سے بات نکالنے کا ہنر چاول پر قُل اللہ لکھنے جیسے کام ہوتا ہے۔ہمارے کلاسیکی شعراء کے ساتھ ساتھ جدید دور کے شعراء نے بھی اس چیز کو بروائے کار لایا ہے۔ صنعتی شاعری میں اس ہنر کا نام ’’صنعت متتابع‘‘ ہے۔کیونکہ اس میں دوسری بات پہلی بات کی اتباع میں لکھی جاتی ہے۔عاصیؔ کی شاعری میں اس قسم کی نادر صنعتوں کا بخوبی استعمال ملتا ہے۔مثلاً

یہ انگ انگ مستی، مستی میں اک نشہ سا　　وہ بھی شباب آور، خانہ خراب کا سا
(شہر خوباں،۳۱)

ہر زخم ایک پھول ہے، ہر پھول اک بہار　　گلشن کھلا ہوا ہے، دل داغدار میں
(شہرِ خوباں، ۸۰)

گیسوئے اختلاف کو سُلجھاؤں کس طرح　　سُلجھا یا روز روز تو وہ الجھا روز روز　　(زرِ گل، ۳۸)

غزلیں دُھن پر سنتے ہیں سنتے ہی سر دھنتے ہیں　　لیتے ہیں اب دلچسپی سازوں اور گانوں میں لوگ　　(زرِ گل، ۴۲)

اک کلی پھول بنی، پھول سے مہکے گلشن　　دفعتاً ہو گئے خوشبو سے معطر کتنے
(شہرِ گل، ۵۷)

''صنعتِ مخنج''کو ایک عمدہ اور نرالی صنعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں شاعر جان بوجھ کر مصرعے کی شروعات جس لفظ سے کرتا ہے، اسی لفظ سے مصرعے کا اختتام بھی کیا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر یہ صنعت مطلع میں نظر آتی ہے لیکن شاعر زندہ دل ہو تو مطلع کے بغیر بھی اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یہ صنعت ''ردالعجز علی الصدور'' سے ملتی جلتی ہے کیونکہ دونوں میں ایک لفظ کو شعر یا مصرعہ کے آغاز و اختتام پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایک ہی مصرعے کے آغاز و اختتام پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے عاصیؔ فائقی نے درجہ ذیل شعر میں استعمال کیا ہے۔

بول رہا تھا میٹھے بول　　اُڑ گیا پنچھی ٹوٹی ڈال　　(زرِ گل، ۹۶)

''صنعتِ مخنج'' سے ملتی جلتی ایک صنعت ''محاذ'' کے نام سے رائج ہے۔ صنعتِ مخنج اور صنعت محاذ لگ بھگ ایک ہی قسم کی صنعت ہے کیونکہ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ مخنج میں شعر کا پہلا اور آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے جبکہ محاذ میں پہلے مصرعے کا آخری حرف اور دوسرے مصرعے کا پہلا حرف ایک ہوتا ہے۔ علمائے بلاغت کا ماننا ہے کہ اس صنعت کیلئے زیادہ اشعار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ایک شعر میں اس صنعت کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر صرف ایک بار یہ ترتیب پائی جائے تو اس کو ''صنعت قطار العبیر'' کہتے ہیں اور اگر یہ ترتیب دو تین اشعار میں مسلسل نظر آئے تو اس کو'' صنعت محاذ ''کہتے ہیں۔ عاصیؔ کی نعتیہ نظم ''روشنی'' میں ''صنعت قطار العبیر'' کی ایک عمدہ مثال ملتی ہے۔

راکٹی رفتار سے بُراق بڑھ کر تھی رواں　　لے گئی پل میں سواری، آسماں در آسماں
آسماں سے بھی پرے، تا عرش پھر رف رف گیا　　عاشق و محبوب میں باتیں ہوئیں وعدہ ہوا　　(التحیات، ۴۹)

لب پہ نہیں کب آہ، نہیں چشم تر ہے کب؟　　کب غم نصیب لوگ، گہر رولتے نہیں
(شہرِ گل، ۷۸)

''صنعتِ ذوالقوافی'' سے مراد جب شاعر جان بوجھ کر یا انجانے میں شعر میں دو دو قافیوں کا استعمال کرتا ہے۔ عاصیؔ کے کلام میں مقطع میں بھی دو دو تخلص نظر آتے ہیں۔ گو یا ذوالقوافی کے ساتھ وہ ''ذوالمقطعین'' کے بھی ماہر تھے۔ ذوالقوافی کے سبب شعر کو دو برابر حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھار اس کی سرحد ''صنعت لف و نشر'' کے ساتھ ملتی ہے۔ ذوالقوافی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

حورِ جنّت ہے، حورِ جنّت ہے　　خوب صورت ہے، خوب سیرت ہے　　(طاق نسیاں، ۴۰)

دھڑکنیں آ گئیں اس طرح مرے دل کے قریب　　کشتیاں ٹھہری ہوں جس طرح سے ساحل کے قریب
(طاق نسیاں، ۱۰۷)

دیوانے بن جاتے ہیں، آکر فرزانوں میں لوگ　　جانے کیا کہہ جاتے ہیں، چپکے سے کانوں میں لوگ　(زرِ گل، ۴۲)

گھائل ہوئے ہیں جس کی سنانِ ادا سے ہم　　منسوب ہوگئے ہیں اسی دل رُبا سے ہم　　(زرِ گل، ۷۴)

آنکھ ہر گز مری نم نہیں ہے بارِ عصیاں سے سر خم نہیں ہے　　کملی والے کا سایہ ہے سر پر حشر کا اب مجھے غم نہیں ہے
(التحیات، ۴۲)

''صنعتِ تلمیع'' کو اکثر و بیشتر ''صنعت تلمیح'' کے ساتھ خلط ملط کیا جاتا ہے۔حالانکہ ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تلمیع کی راہیں قدیم زمانے میں رائج ''ریختہ گوئی'' سے ملتی جلتی ہے۔کیونکہ دونوں میں ایکُ سے زائد زبانوں کا استعمال ہوتا ہے۔ریختہ گوئی کی شروعات حضرت امیر خسرو نے اپنے مریدوں کی خاطر کیا تھا اور وہ شاعری میں ایک مصرعہ اردو اور دوسرا مصرعہ فارسی زبان میں لکھتے تھے۔ تلمیع میں بھی دو زبانوں کے الفاظ یا رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔اس کی دو صورتیں ہوتی ہے، پہلی صورت ''تلمیع کثوف'' کہلاتی ہے جس میں صرف دو زبانوں کا استعمال ہوتا ہے اور دوسری صورت ''تلمیع مجوب'' ہے جس میں دو سے زائد زبانوں کا استعمال ہوتا ہے۔ گویا تلمیع کے موجد امیر خسرو ہی ہیں لیکن غالبؔ اور پھر اقبالؔ نے اس صنعت کو بام عروج پر پہنچایا تھا۔ بابِ دکن سے تعلق رکھنے والے عاصیؔ فائقی کے کلام میں تلمیع کی چند نادر مثالیں ملتی ہیں۔

پھر اَنَاالحق'' کے لئے گوش بر آواز ہوئے　　یادِ منصور دلا کر کوئی مصلوب چلا　　(طاق نسیاں، ۵۲)

پہنچے تری نگاہ ''اِلَیہِ النُّشُور'' تک　　لیکن قدم نہ پہنچیں سر پر غرور تک　　(زرِ گل، ۸۲)

آیت بدرُالدُّجیٰ والّیل کی تفسیر ہے　　چہرہ پُر نُور کی معصومیت کا تذکرہ　　(زرِ گل، ۹۴)

برتر و بالا ہے تو
ربی الاعلیٰ ہے تو
یاالٰہی! اَلْمَدَدْ
قُلْ ھُوَاللہُ اَحَدْ
(التحیات، ۳۳)

پیامِ روح الامین، لاالہ الااللہ
صدائے عرشِ بریں، لاالہ الااللہ　　(التحیات، ۳۵)

تجھ سے ملنے کی کس کو نہیں آرزو
تجھ کو پانے کی ہر اک کرے جُستجو
کُو بہ کُو وہ ہے، چرچا ترا چار سُو
تقنطُوا کی کریں تجھ سے کیا گفتگو

تیری رحمت سے وابستہ لَا تقنطُوا

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو (التحیات، ۳۶)

اردو شاعری میں ضرب المثل کی مثالیں ہر شاعر کے کلام میں کم یا زیادہ ملتی ہیں۔ عصر حاضر میں تحقیقی و تنقیدی کام اتنا پیچیدہ ہو چکا ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں ضرب المثل اشعار کو بھی موضوع بنایا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں ضرب المثل پر کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ درسی کتابوں میں کہاوتوں کو سمجھانے کیلئے ضرب المثل اشعار کو بھی شامل کیا جانا چاہیے، تاکہ طالب علموں کو کہاوت یاد رکھنے میں آسانی کے ساتھ دلچسپی بھی پیدا ہو۔ بہر صورت عاصیؔ فائقی کے کلام میں ضرب المثل اشعار کی کثیر تعداد ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں چند اشعار میں ”برائی پہ پردہ ڈالنا، چھوٹا منہ بڑی بات، موت کا ذائقہ چکھنا، پانی پانی ہونا، ایک جاں دو قالب، اینٹ کا جواب پتھر سے دینا، جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے“ جیسی کہاوتوں اور محاورات کا استعمال ملاحظہ فرمائیں۔

جو ہو سکے تو برائی پہ ڈال دو پردہ کسی کا راز، کسی پر، کبھی نہ فاش کرو (طاق نسیاں، ۱۹)

یہ چھوٹا مُنھ، بڑی باتیں نہیں ہیں خُلاصہ مثنوی کا مختصر ہے
(طاق نسیاں، ۲۲)

موت کا چکھنا پڑے گا ذائقہ اہتمامِ زندگی کے باوجود
(طاق نسیاں، ۳۸)

بھڑکتے ہوئے دل کے شعلے مرے ہوئے پانی پانی ترے شہر میں (طاق نسیاں، ۷۵)

اک جاں اور دو قالب عاصیؔ آدھا حصّہ ایک ہی دھڑ کا (طاق نسیاں، ۱۰۳)

آج کل اینٹ کا پتھر سے ضروری ہے جواب ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے
(شہر خوباں، ۱۷)

جب گیڈر کی موت آئے شہر کی جانب وہ جائے بھاگ رہے ہیں شہروں سے لیکن ویرانوں یہ لوگ
(زرِ گل، ۴۲)

محمد خالد عابدی نے عاصیؔ فائقی کے کلام میں ''ضرب الامثال'' اور ''سہل ممتنع'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''شہرِ گل'' میں ضرب الامثال کے اشعار بھی ہیں۔ بعض علاقائی اور عوامی لفظ اس طرح رچ بس گئے ہیں کہ عام فہم اور سہل ممتنع کے شعر خوب ہوگئے ہیں۔ عاصیؔ فائقی زود گو اور سلجھے ذہن کے اور غیر متعصب معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص ان کے یہاں لسانی عصبیت نہیں ہے۔ وہ نہایت روانی اور فراخدلی سے اردو، ہندی اور انگریزی الفاظ کی آمیزش سے عام قاری کے ذہن میں اپنی اور اپنے شعروں کے لیے جگہ محفوظ کر لیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں اسلامی تلمیحات بہ کثرت موجود ہیں تو ہندو دیومالائی اور ہندی تلمیحات بھی کم نہیں ہیں''۔ (زر گل، ص:۲۵)

صنائع لفظی کے ساتھ صنائع معنوی میں بھی صنعتوں کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ صنائع معنوی وہ صنائع ہیں جن سے کلام کی معنوی خوبیاں واضح ہوتی ہیں۔ علمائے بلاغت نے کلام کو بلیغ بنانے میں معنوی حسن کو خاص اہمیت دی ہے۔ اس کو صنائع لفظی پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ اس سے کلام میں ظاہر حسن کے ساتھ بلاغت بھی پیدا ہوتی ہے۔ صنائع معنوی کی پہلی اہم صنعت ''صنعتِ تضاد'' ہے۔ یہ ایک آسان اور عام فہم صنعت ہے۔ اس سے مراد شعر میں دو یا دو سے زائد متضاد الفاظ کا استعمال کرنا ہے۔ درس وتدریس میں جدت لاتے ہوئے چھوٹے بچوں کو متضاد الفاظ کی پہچان کراتے وقت ''صنعت تضاد'' کی مدد لی جا سکتی ہے۔ اس سے بیک وقت متضاد الفاظ اور اشعار دونوں ذہن میں محفوظ ہو جائیں گے۔ تضاد کی اقسام میں ایجابی اور سلبی تضاد نام کی دو اہم قسمیں پائی جاتی ہیں۔ عاصیؔ کے کلام میں تضاد کے ساتھ ''صنعت تذبیح'' کی مثالیں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس میں متضاد رنگوں کے ذکر سے کنایہ پیدا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تضاد کی چند مثالیں

با عمل نے حکمرانی کی ہے ہر اک دور میں بے عمل جو بھی ہے وہ محکوم ہے مغلوب ہے (طاق نسیاں، ۱۷)

تفریق مٹ سکی نہ کبھی درمیان کی کہتے ہیں ہم زمین کی، وہ آسمان کی
(طاق نسیاں، ۲۱)

وہ جو مغرب کی حسیں شام میں جاڑو باتھا صبح صادق وہی پھر جانبِ مشرق نکلا (طاق نسیاں، ۹۷)

خدا اور ناخدا کی ضد تھی ورنہ نہیں میں ڈوبتا ساحل پہ آ کے (شہر خوباں، ص:۲۷)

اندھیرے اُجالے، اُجالے اندھیرے ہم انجامِ شام و سحر جانتے ہیں (شہر خوباں، ۲۴)

موت تو اک دن اے انساں! آئیگی اور لیجائیگی روتا آیا، ہنستے جانا، ہست ونیست یقینی ہے (شہر خوباں، ۴۲)

Tarjihaat
Volume: 11
Issue: VII
July 2022
جولائی ۲۰۲۲
آن لائن ادبی رسالہ
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WURNP

مرنے کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ خوشی — جینا بھی اک عذاب ہے مرنا بھی اک عذاب
(زرِ گل، ۱۰۳)

''صنعتِ مراۃ النظیر'' کو ایک قیمتی صنعت مانا جاتا ہے۔اس کے تحت ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے الفاظ کو شعر میں جمع کیا جاتا ہے۔اس کے تحت لائے گئے الفاظ تضاد کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق رکھتے ہیں اور ان الفاظ میں لازمی طور پر کچھ مناسبت ہوتی ہے۔اس میں شراب کے ساتھ شرابی، ساقی، میخانہ، صراحی، جام جیسے الفاظ آتے ہیں اور باغ کے ساتھ باغباں، پھول، کلی، کانٹا، گھاس، شبنم،
پنکھڑی، پودا جیسے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں عاصیؔ کے کلام سے مراۃ النظیر کی چند مثالیں

کون بتلائے گا میخانے میں رازِ مے کشی — اس میں کوئی مست ہے، ابدال ہے، مجذوب ہے (طاق نسیاں، ۱۷)
رندوں کی بلانوشی بے ہوشی میں باہوشی — مینا بھی سنبھالے ہیں ساغر بھی انڈیلے ہیں (زرِ گل، ۳۵)
نہ سایہ ہے، نہ ٹہنی پر ثمر ہے — یہ موجودہ زمانے کا شجر ہے (طاق نسیاں، ۲۲)
باغباں گل آشنا، گل آشنا ہے عندلیب — زینتِ گل، رونقِ گلزار، شبنم آشنا (طاق نسیاں، ۴۴)
خوش رنگ و خوش لباس میں لگتی ہیں خوشنما — پھل، پھول، پتیوں سے لدی ٹہنیاں ہمیں (زرِ گل، ۲۶)
کوئی ہے زیر، کوئی زبر، کوئی پیش پیش — اعرابِ زندگی میں رہے سب ہی پیش پیش (زرِ گل، ۴۸)
گر گئے پھل، پھول اور پتّے شجر کے جھڑ گئے — پیڑ پت جھڑ کی ہوا کھا کر اکیلا رہ گیا (زرِ گل، ۵۴)

''صنعتِ تعلّی'' سے مراد ایک ایسی صنعت سے ہے جب مقطع میں شاعر اپنی، اپنے کلام یا اپنے محبوب و خاندان کی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔عموماً دیکھا گیا ہے کہ شعراء نے زیادہ اپنی بڑائی اور بلندی ظاہر کی ہے۔اگرچہ مقطع میں اس صنعت کا زیادہ استعمال ملتا ہے لیکن دیگر اشعار میں بھی صنعت تعلّی سے مزیں اشعار ملتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

یہ ریشِ مقدس عاصیؔ کی، چہرے سے خلوصِ دل ظاہر — لو نُور جہاں کے پرتو میں پہچان مہیا کرتا ہوں
(طاق نسیاں، ۱۸)
ذہنوں سے عاصیؔ فائقی ہر گز نہ مٹ سکے — خدمت میں مُنہمک ہیں جو اردو زبان کی (طاق نسیاں، ۲۱)
کرتے ہیں عاصیؔ بھی کیا آراستہ — جامہ تحریر کو مضمون سے (طاق نسیاں، ۲۳)
عاصیؔ، ہر اک زباں پہ ترے فن کا ذکر ہے — صد شُکر کامیاب تری شاعری رہی
(طاق نسیاں، ۶۵)
مقبولِ عام ہو گیا عاصیؔ کا یہ کلام — ذرہ کو آفتاب کے جیسا شرف ملا (زرِ گل، ۱۸)

"غالب کی شاعری میں استفہام" اس قسم کے درجنوں موضوعات پر تحقیقی کام ہوا ہے۔ شاعری کے ذریعے سوال کرنا ایک پرانا اور عام مشغلہ رہا ہے، لیکن "صنعت سوال جواب" استفہام کے مقابلے زیادہ خوبصورت صنعت ہے کیونکہ اس میں سوال بھی شاعر کرتا ہے اور جواب بھی شاعر ہی دیتا ہے۔ استفہام میں شاعر سوال کرتا ہے اور قارئین سے جواب مانگتا ہے۔ سوال جواب کی ایک عمدہ مثال علامہ اقبال نے نظم "شکوہ" اور "جواب شکوہ" لکھ کر قائم کی ہے۔ تاحال اردو شاعری میں اس سے بہترین سوال جواب کی محفل نظر نہیں آتی ہے۔ جہاں تک "صنعت سوال جواب" کا تعلق ہے تو شاعر صرف دو مصرعوں میں سوال جواب کے تمام لوازمات پورے کرتا ہے۔ غزل کے جن دو مصرعوں کی کلیم الدین احمد نے زبردست تنقید کی تھی، انہی دو مصرعوں میں سوال جواب کا پورا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ یہ سوال جواب ایک ہی مصرعے میں بھی کیا جاسکتا ہے اور پورے شعر میں بھی۔ عاصیؔ فائقی کے کلام سے "صنعتِ سوال و جواب" کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

کیا جانے کیا تلاش ہے، کس کی تلاش ہے — اک جستجو ہے اور غزل کہہ رہا ہوں میں — (طاق نسیاں، ۵۴)

دل کیا ہے؟ اک دیا ہے، وہ بھی بُجھا بُجھا سا — دیتا رہوں کب تک دل کو میرے دلاسا — (شہر خوباں، ۳۱)

روپوش زمانے کی نگاہوں سے ہوئے کیوں؟ — ہے فرد جہاں آپ کے دیدار کا مشتاق — (زرِ گل، ۹۹)

جبہہ سائی درِ جاناں پہ کیا کرتا ہوں — کس لئے؟ کیوں؟ مرا معمول خدا ہی جانے — (زرِ گل، ۱۰۰)

اس میں نہیں ہے کوئی بُرا ماننے کی بات — جیسا ترا سوال تھا' ویسا مرا جواب — (زرِ گل، ۱۰۳)

"صنعتِ تجاہل عارفانہ" میں شاعر جان بوجھ کر انجام بننے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ اس انجانے پن سے شعر میں ایک خاص قسم کی لطافت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی علمائے بلاغت نے دو اقسام بنائی ہے، ایک تجاہل عارفانہ تردید کے ساتھ اور دوم تجاہل عارفانہ بغیر تردید کے۔ عاصیؔ کے کلام سے "صنعتِ تجاہل عارفانہ" کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

کنارے دور ہیں، موجوں نے سر اُٹھایا ہے — الٰہی کشتی دل گھر گئی بلاؤں میں — (طاق نسیاں، ۳۲)

ترا راز یہ کسی نے نہیں آج تک بھی جانا — ہمیں خاک سے بنایا، ہمیں خاک سے ملانا — (طاق نسیاں، ۴۵)

بہاریں آگ برسانے لگیں کیا؟ — شگوفے کس لیے مرجھا رہے ہیں — (شہر خوباں، ۲۵)

میں اپنے آپ سے مدّت ہوئی ہے مل نہیں پایا — نجانے کب فنا آئے بقا سے ملوں کب تک — (زرِ گل، ۸۳)

ہم چل پڑے ہیں راہِ محبت میں سر کے بل — کھائی ہے دل نے چوٹ تو دیکھیں گے سر کی چوٹ — (زرِ گل، ۱۰۷)

اردو شاعری میں استعمال ہونے والی چند بہترین اور کارگر صنعتوں میں "صنعت لف و نشر" کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس صنعت میں پہلے چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور پھر ان چیزوں کی مناسبت کو بیان کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لف و نشر کا نام دیا گیا

ہے۔اس کی تین یا چار قسمیں بتائی گئی ہے۔لیکن زیادہ تر مرتب اور غیر مرتب لف ونشر ہی نظر آتی ہے۔'مرتب اور غیر مرتب لف ونشر'' کی چند مثالیں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

تم پیکرِ مستی ہو، تم زینتِ مے خانہ — مینا کی سی گردن ہے، آنکھیں ہیں کہ پیمانے
(طاق نسیاں،۱۱۰)

تم مجسم شادمانی، ہم سراپا غم رہے — تم نہ ہم سے کم رہے، ہم بھی نہ تم سے کم رہے
(شہر خوباں،۵۱)

دنیا میں خود پرست ہے کوئی خدا پرست — ہے آسماں بلند بہت اور زمین پست — (طاق نسیاں،
سحر جس کی نہ ہوئی ہو، نہ جس کی شام ہوئی ہو — کوئی ایسی بھی شام آئے، کوئی ایسی سحر آئے
(طاق نسیاں،۵۶)

کتنے ناوک چلے، کتنے خنجر چلے — تیرے سر کی قسم، میرے سر کے لئے — (طاق نسیاں،۸۰)

منزلِ عشق پالینا دشوار ہے، گامزن ہے جو اس پر وہ بیزار ہے
آج تک بھی نہ کوئی اسے پاسکا، قافلے کتنے راہوں میں گم ہوگئے — (طاق نسیاں،۵۳)

اردو شاعری کی کم معروف صنعتوں میں ''صنعت جمع'' کا شمار ہوتا ہے۔اگرچہ گرائمر کی رو سے جمع سے مراد ایک سے زائد چیزوں، اشخاص یا جگہوں کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔لیکن صنعتی شاعری میں ''جمع'' سے مراد کلام میں ایک ہی قید، شرط یا حکم کے تحت چند چیزوں کو جمع کرنے سے ہے۔صنعت جمع'' کی سرحد کبھی کبھی مراۃ النظیر سے بھی جاملتی ہے اور کبھی اس میں ''صنعت اشتقاق'' کی خوبی نظر آتی ہے۔عاصیؔ کے شاعری میں بھی ''صنعت جمع'' کی کچھ مثالیں ملتی ہیں۔

آپ میرے غم کے بارے میں نہ کچھ غم کیجیے — غمزہ ہوں، غمزہ کو، غم فراہم کیجئے
(شہر خوباں،۲۹)

شہر کے ہر فرد سے ہم آشنا، تم آشنا — موت سے لیکن جہاں میں آشنا کوئی نہیں
(شہر خوباں،۴۱)

کیوں مندر و مسجد کی حدیں روندرہا ہے — وہ اپنا، دل اپنا ہے، تو اپنا ہی گھر ڈھونڈ — (زرِ گل،۱۷)
سر مستیِ شباب کا عالم تو دیکھئے — دل بھی، جگر بھی، آپ بھی، میں بھی جوان ہوں — (زرِ گل،۳۴)
چشم مستانہ سے حصّہ سب کو ملنا چاہیے — ساقی میخانہ! میخانے کا یہ دستور ہے
(زرِ گل،۱۰۱)

کم معروف صنعتوں میں ''رجوع'' بھی ایک دلچسپ صنعت ہے۔اس میں شاعر پہلے کسی چیز، شخص یا جگہ کی صفت یا خوبی بیان کرتا ہے اور پھر اس صنف یا خوبی سے انکار کر کے کوئی دوسری صفت یا خوبی بیان کرتا ہے، جو پہلی صفت یا خوبی کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور افضل ہو۔یہ ایک دلچسپ صنعت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشکل صنعت بھی ہے۔فائق عاصیؔ کے کلام کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس صنعت کی چند مثالیں نظروں سے ضرور گزرتی ہیں۔

گذرے لمحوں کی طرح لوٹ کے کیا آئے گا جا کے آیا نہیں کرتا کبھی جانیوالا (زیرِ گل،۴۱)

آپ پوچھیں تو بتائے گی نسیم اُردو کس چمن میں نہیں دلی دکن کی خوشبو (زیرِ گل،۶۵)

اس کے رخِ جمیل کی تشریح کب کریں ہاتھوں کی صندلی پہ رکھی ہے کھلی کتاب (زیرِ گل،۱۰۳)

کس منہ سے یہ کہتے ہو انجام نہیں اچھا یہ کام نہیں اچھا وہ کام نہیں اچھا
(زیرِ گل،۱۰۴)

یہ یاد رہے عاصیؔ! دنیائے محبت میں سنتے ہیں کہ برا اچھا بدنام نہیں اچھا
(زیرِ گل،۱۰۴)

''صنعت حسن تعلیل''مرزا غالبؔ کی پسندیدہ صنعت ہے۔اس میں شاعر کسی واقعہ یا حادثے کی وہ وجہ بیان کرتا ہے، جو اس کی اصل وجہ نہیں ہوتی ہے اور شاعر جو وجہ بیان کرتا ہے اس میں فوق الفطری عنصر کا خدشہ ہوتا ہے۔اس کی چار قسمیں پائی جاتی ہے۔عاصیؔ فائقؔ کے کلام سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

ساقیا! لُطفِ نظر ہو تو مزا آجائے خود ہی مے خانہ چلا آئے گا میخوار کے پاس (طاق نسیاں،۴۹)

موجِ دریا ہی نہیں، لمس کی خاطر عاصیؔ مچھلیاں چھونے لگیں اُن کے چرن پانی میں (طاق نسیاں،۸۱)

حسنِ اشعار کی تشکیل نرالی ٹھہری درِ جاناں کی زمیں ہو تو غزل ہوتی ہے
(شہر خوباں،۱۶)

ساحل پہ سیپیاں تک رو رو پڑی ہیں دیکھو پانی میں ڈوب کر بھی کیا ہو گا کوئی پیاسا (شہر خوباں، ص:۳۱)

گل سے بلبل کو محبت ہو گئی قیمتِ گل بیش قیمت ہو گئی (زیرِ گل،۱۰۲)

''صنعت تعجب''میں شاعر کوئی ایسی بات بیان کرتا ہے جس سے قارئین کچھ دیر کیلئے تعجب کا شکار ہوتے ہیں۔یہ ایہام،ابہام اور مبالغہ کے مقابلے میں ایک الگ صنعت ہے۔چند مثالیں

عاصیؔ کو پینے دیجئے، کیجئے نہ بحث آپ پہنچے گی ورنہ بات بہت دور دور تک
(زیرِ گل،۸۲)

شہر میں کون بسنے لگے آج کل آدمی بھی نہیں آدمی کی طرح (زیرِ گل،۹۵)

اردو شاعری میں جمعیت الفاظ کی طرف بطور صنعت بہت کم توجہ دی گئی ہے۔اس صنعت کے تحت شعر یا مصرعے میں شاعر متواتر کسی ایک شخصیت یا چیز کو مختلف القابات، تشبیہات یا ناموں سے یاد کرتا ہے۔اس صنعت کے تحت کسی شے یا شخص کی خوبیوں سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ عام قاری الفاظ کے ایک بیش بہا خزانے سے متعارف ہوتا ہے۔جمعیتِ الفاظ کی درجنوں مثالیں عاصیؔ کے کلام میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

نرگسی، نیل کنول سی، یا مرگ نینی ہوں　　　دل پہ لاتی ہیں خرابی، یہ گلابی آنکھیں
(شہرِ خوباں،۲۱)

دفعتاً مٹ نہ جائیں کہیں قہر سے،　　　آسمان وزمیں، بحر و بر دیکھنا　　　(زرِ گل،۴۳)

انکساری، سادگی، دریادلی، فرزانگی　　　تھیں بہت سی خوبیاں نواب خرقہ پوش میں
(زرِ گل،٦٦)

میکدے سے عجز کا پیغام ملتا ہے سدا　　　جانبِ مینا جھکے خم، مینا ساغر کی طرف
(زرِ گل،۹۸)

چشمِ ساقی ملتفت ہے میکدہ معمور ہے　　　جس کو دیکھو مست ہے مخمور ہے مسرور ہے
(زرِ گل،۱۰۱)

تیر مژگاں، تیغ ابرو تیز تو دونوں ہی ہیں　　　دیکھئے کس کی قضا آئی ہے کیا منظور ہے　　　(زرِ گل،۱۰۱)

سبز گنبد کا مکیں ہے وہ شفیعِ مذنب　　　امّت عاصی کو دوزخ سے بچانے والا
(التحیات،۴۰)

وہی ہستی کہ جس کی بشت پر مہرِ نبوّت تھی　　　امام الانبیا ٹھہری، وہ ختم المرسلیں ٹھہری
(التحیات،۴۴)

’’صنعت تلمیح‘‘ سے مراد جب کلام میں کسی مشہور قصے، واقعے، شخص، چیز، کردار یا روایت کا ذکر کیا جائے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی لفظ سے پورا واقع یا قصّہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔تلمیحات اقبال، غالب، انیس، دبیر اور دیگر شعراء کی تلمیحات پر الگ الگ طور پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔عاصی کے کلام میں ہندو مسلم دونوں مذاہب کی تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ان کے کلام میں پائی جانے والی اہم تلمیحات میں ’’کوہ طور، معراج، موسیٰ، طوفان نوح، خضر، طوافِ کعبہ، سکندر، ارسطو، یوسف زلیخا، تاج محل، حضرت یعقوب، منصور‘‘ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔عنوان چستی کے بقول عاصیؔ ایک مخلص شاعر ہیں، جو سادگی اور بے ریائی اُنکی شخصیت کا جوہر ہے، وہی اُن کے کلام کا طرہ امتیاز ہے، انہوں نے شعری روایت سے زبردست استفادہ کیا ہے‘‘۔(شہرِ گل، فلیپ سے) ملاحظہ فرمائیں چند تلمیحات عاصیؔ

وہی ہستی کہ جس کی پُشت پر مہرِ نبوّت تھی　　　امام الانبیاء ٹھہری وہ ختم الرُسلیں ٹھہری　　　(طاق
نسیاں،۱٦)

باغِ ارم کی سیر کی، باغِ جہاں کی سیر　　آدم کا جانشین ہوں، جنت نشان ہوں　　(طاق نسیاں،۲۵)

اک حُسن مجسم نظر آنے لگا مجھکو　　موجوں سے اُٹھا ساغرِ جمشید کا سورج　　(طاق نسیاں،۲۸)

بپھریا جوج وماجوج　　وقت کا بن جاؤ ذوالقرنین　　(طاق نسیاں،۴۱)

اب بھی اندر پرست ہیں پریاں　　منظرِ کوہ قاف دیکھا ہے　　(طاق نسیاں،۲۷)

پیرہن کاغذی راون کے سرِ عام جلے　　ان مناظر سے بھی گذرے ہیں دسہرے کتنے　　(طاق نسیاں،۳۴)

کوئی موسیٰ نہیں کہ غش کھائوں　　اپنا رخ بے نقاب رہنے دے　　(طاق نسیاں،۹۹)

عاصی کا ساتھ، سرمد ومنصور سے رہا　　یہ تھے ہماری راہ کے اصحاب خاص خاص　　(زرِ گل،۳۰)

لکشمن ریکھا کو راون کر سکا ہر گز نہ پار　　رام کے ہاتھوں وہ لنکا میں سُلگتا رہ گیا　　(زرِ گل،۵۴)

''صنعتِ تنسیق الصفات'' یہ صنعت بھی ایک غیر معروف اور کم استعمال ہونے والی صنعت ہے۔اس صنعت کے تحت شاعر کسی خاص موقع پر چند الفاظ ایک ہی وزن یا ایک ہی قسم کی پے درپے شعر میں جمع کرتا ہے جس سے شعر میں ایک خاص قسم کا لطف پیدا ہوتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ شاعر کسی اہم یا غیر اہم شخص یا کسی چیز کا ذکر اس کی صفات کے ساتھ کرتا ہے،اس میں خوبی اور خامی دونوں شامل ہو سکتی ہیں۔ گرائمر کے حوالے سے بات کریں تو صنعت تنسیق الصفات کسی حد تک عرف سے ملتی جلتی چیز ہوتی ہے۔علمائے بلاغت نے اس کو صنائع لفظی اور معنوی دونوں میں شامل کیا ہے۔اس میں کسی شخص یا چیز کی مدح یا ذم پیش کی جاتی ہے۔اس صنعت کا زیادہ تر رواج قصائد میں ملتا ہے۔فائق عاصی کے کلام سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

تو رنگ ونسب، شکل وشباہت نہ قباد یکھ　　تخلیقِ الٰہی کا ذرا نشو ونما دیکھ　　(زرِ گل،۱۰۹)

دے رہی ہے پیام کی خوشنودی　　میٹھی میٹھی حضور کی باتیں　　(طاق نسیاں، ص:۴۳)

''سہل ممتنع'' ایک قدیم صنعت ہے اور اس سے مراد ایک ایسے شعر سے ہے جس کو نثر کی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ سہل ممتنع بظاہر آسان شعر ہوتا ہے اور دیکھنے والے کو لگتا ہے کہ میں بھی ایسا شعر کہہ سکتا ہوں مگر در حقیقت ایسا ممکن نہیں ہوتا ہے۔دوسری بات بقول مرزا غالب اور نجم الغنی سہل ممتنع وہ نظم یا نثر ہوتی ہے جو دیکھنے میں بالکل آسان نظر آئے مگر اس کا جواب نہ ہو سکے۔ڈاکٹر اشفاق انجم نے عاصی کے کلام کے محاسن میں سہل ممتنع کو ایک اہم خوبی گردانتے ہوئے لکھا ہے:

''جس طرح عاصی صاحب کو دیکھ کر پہلی نظر میں آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ حضرت کوئی ثقہ بزرگ اور کسی دینی مدرسہ کے مدرّس ہوں گے،اسی طرح ان کی شاعری بھی نظروں کو فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ان کا اسلوبِ نگارش ایسا رواں دواں ہے کہ قاری

پڑھتا چلا جاتا ہے۔اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور آخر میں وہ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ ''دلچسپ کلام ہے'' مگر وہ لوگ جو اسے رک رک کر پڑھیں گے انہیں سہل ممتنع میں ایسے بلند اشعار اور گہرے معانی نظر آئیں گے کہ طبیعت خوش ہو جائیگی''۔(شہر خوباں، ص:۱۲)

عاصیؔ کے کلام سے سہل ممتنع کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

دردِ دل کا سوا نہیں ہوتا	تم جو چاہو تو کیا نہیں ہوتا	(شہر گل، ۶۲)
باعمل زندگی بھلی عاصیؔ	بے عمل زندگی میں خواری ہے	(شہر گل، ۶۷)
ان سے الفت اگر نہیں ہوتی	زندگانی بست نہیں ہوتی	(شہر گل، ۷۹)
زلف کے برخلاف دیکھا ہے	مطلعِ حسن صاف دیکھا ہے	(طاق نسیاں، ۲۷)
ہندو، مسلم، سکھ یا جین	ایک ہی سب کا نصب العین	(طاق نسیاں، ص:۴۱)

اردو شاعری میں سراپا نگاری کے موجد وامام ولی دکنی کہلاتے ہیں۔سراپا سے مراد محبوب کی سر سے پاؤں تک تعریفیں کرنا ہے۔اس میں محبوب کے ہونٹوں،آنکھوں،زلفوں،قد،چال ڈال،رخسار،پاؤں وغیرہ کی تعریفیں بیان کی جاتی ہے۔ولیؔ،میرؔ،مومنؔ کو اس فن میں ملکہ حاصل ہے۔عاصیؔ کے کلام سے سراپا نگاری کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

گھنیری زلف کے جوڑے کا خوشنما منظر	رخ جمیل پہ کتنا سہانا لگتا ہے	(شہر خوباں، ص:۳۳)
کتنا نورانی اس کا چہرا ہے	بد نگاہی کا جس پہ پہرا ہے	(شہر گل، ص:۴۴)
اس نازنین کے 'پنجہ مرجاں' کی ناز کی	زریں انگوٹھیوں کے نگینے سے پوچھئے	(شہر گل، ص:۴۵)
تیری آنکھوں میں یہ حیا کیا ہے؟	ہم سمجھتے ہیں مدعا کیا ہے	(شہر گل، ص:۴۹)

غرض عبدالبصیر عاصیؔ فائقی کا حلیہ اگرچہ دینی مدرسہ کے عالم وفاضل جیسا نظر آتا ہے لیکن ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد اس میں میر کی دل لگی، مومن کی سادگی، اقبالؔ کی تلمیحات، غالبؔ کا فلسفہ، چکبست کی ہندی روایت اور دیگر شعراء کے کلام سے بھی اِکا دُکا خوبیاں نظر آتی ہے۔ان کا چہرہ ضرور مولوی جیسا دکھتا ہے لیکن ان کا دل جوان،آنکھیں مست اور کلام تکلف، بناوٹ، تصنع اور آورد سے بالکل مبرّا نظر آتا ہے۔ان کی صنعتی شاعری سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ آمد کے شاعر تھے نہ کہ آورد کے اور اسی سبب ممکن ہوسکا ہے کہ نئی پرانی تمام صنعتوں کا بہترین انداز میں استعمال کیا ہے۔ان کی شخصیت کے ساتھ ان کا کلام اور اس میں استعمال ہونے والی صنعتیں بھی پہلودار نظر آتی ہیں۔اُمید کرتا ہوں عاصیؔ فائقی کے کلام پر مزید تحقیقی

وتنقیدی کام ہوگا اور علاقائی ادب کے تحت ان پر سندی تحقیقی کا کام بھی ہونا چاہیے۔عاصیؔ جیسے مزید گمنام شعراء پر بھی تحقیقی وتنقیدی کام ہونا چاہیے تاکہ اردو زبان وادب کا دائرہ مزید وسیع ہو اور ان شعراء کا کلام بھی ادبی حلقوں تک پہنچ سکے۔

***